علاّمہ شبلی نعمانیؒ: بحیثیت سیرت نگار

حافظ محمد ثانی ☆

ABSTRACT

Allama Shibli Nomani as a Sirah writer

Shibli's greatness lies in his historical sense and his efforts to reconstruct the Islamic history and *Seerat-e-Rasul Allah.* As far as Sirah writing is concerned, his *Seerat un Nabi* is a landmark in Sirah writing. Due to his death at the age of 58 this remarkable work was completed by Syed Suleman Nadvi. This article is based upon different scholarly opinions about *Seerat un Nabi.*

Key words: *Seerat un Nabi, Shibli Nomani, Syed Suleman Nadvi.*

نام ور سیرت نگار، عربی، فارسی اور اردو کے بلند پایہ محقق وادیب علاّمہ شبلی نعمانیؒ جن کا پورا نام محمد شبلی تھا۔ مئی ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ خیز دور میں علوم وفنون کے مرکز اور علماء وادباء کے مسکن، اعظم گڑھ انڈیا کے نواحی گاؤں بندول میں پیدا ہوئے۔ [۱]

ان کا خاندان اس ضلع میں ممتاز، متمول اور صاحبِ اعزاز تھا۔ ان کے پدرِ بزرگوار اعظم گڑھ کے کامیاب وکیل تھے۔ [۲]

اس دور کے مروجہ دستور کے مطابق ابتدائی تعلیم کے حصول کے بعد علاّمہ شبلی نعمانی نے طلبِ علم میں اپنا دامن دُور دُور تک پھیلایا اور مختلف علوم مثلاً ادب، منطق، حدیث میں جو اساتذہ اپنے فن میں تمام ہندوستان میں ممتاز تھے، ان تک رسائی حاصل کی۔ [۳]

☆ ڈاکٹر حافظ محمد ثانی، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علومِ اسلامی، وفاقی اردو یونیورسٹی، عبدالحق کیمپس، کراچی

علامہ شبلی نعمانی نے فقط درسی کتب پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ عام کتب بینی کا وہ شوق جوان کے لیے سرمایۂ حیات ہونے والا تھا، ابتدا سے شروع ہو گیا تھا۔ بقول شیخ محمد اکرام:

''مولانا شبلی نعمانی نے طلبِ علم کی منزلوں میں بڑھ چڑھ کے قدم رکھا تھا۔ انہیں اس راہ کے طے کرنے میں وہی مسرت حاصل ہوتی تھی، جو ایک عاشق صادق کو دیارِ محبوب کی سیر میں ملتی ہے۔'' ۴

شبلی ابتدا میں اپنا نام صرف محمد شبلی لکھتے تھے، مگر بعد میں شبلی نعمانی لکھنے لگے، اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت نعمان بن ثابت، امام اعظم ابو حنیفہؒ سے انہیں بڑی عقیدت و محبت تھی، وہ کٹر حنفی المذہب تھے، اس جوشِ عقیدت میں انہوں نے اپنے نام کے ساتھ ''نعمانی'' کا لاحقہ اپنے استاد کے اشارے پر شریک کر دیا، مولانا شبلی نعمانی کے استاد فاروق چریا کوٹی بڑے غالی حنفی تھے، اس دور میں مقلد اور غیر مقلد کی بحثیں اطراف واکناف میں بڑی شدت پکڑ رہی تھیں، اسی تقلید کے جوش و جذبے کے تحت استاد نے عزیز شاگرد کو نعمانی کہہ کر پکارا اور پھر یہ صرف شبلی نعمانی ہی کے لقب سے پہچانے جانے لگے۔ ۵

علامہ شبلی نعمانیؒ کی زندگی اور کارناموں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ طلبِ علم میں بے حد حریص تھے، ان کی تعلیم قدیم اصولوں پر ہوئی، لیکن اس کی تکمیل میں انہوں نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا، اعظم گڑھ میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد غازی پور، رام پور، لاہور، سہارنپور جہاں جہاں اس زمانے میں مشہور اساتذہ تھے، وہاں وہ گئے اور فیض حاصل کیا، چوبیس برس کی عمر میں جب وہ علی گڑھ گئے تو بظاہر وہ پروفیسر اور علومِ اسلامیہ کے استاد تھے، لیکن حقیقتاً یہ ان کی طالب علمانہ زندگی کا دوسرا دور تھا۔ ۶

انیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر جسے برِصغیر کی تاریخ میں ایک عظیم انقلاب کا نقطۂ آغاز اور ہنگامہ خیز دور کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اسے ''آشوبِ ایام اور بحرانِ انقلاب'' کے نام سے یاد کیا ہے۔ ۷ اس انقلاب انگیز اور ہنگامہ خیز دور کے آغاز میں علامہ شبلی نعمانیؒ پیدا ہوئے۔ اس عہد کو ہندوستان کا دورِ اصلاح بھی کہا جاتا ہے۔ یہ دورِ اصلاح جن افراد پر مشتمل تھا، ان میں دو قسم کے لوگ تھے، ایک وہ جنہوں نے زمانے کی ضرورتوں سے قطعاً چشم پوشی کر لی اور حرفِ قدیم کی حفاظت ہی کو ملت کے لیے ذریعۂ نجات سمجھا اور دوسرا گروہ وہ پیدا ہوا، جس نے قدیم کو چھوڑ کر صرف جدید کے حصول پر اپنا سارا زور صرف کیا۔ ۸

علامہ سید سلیمان ندوی کے بقول:

''مولانا شبلی مرحوم اس بزم میں سب سے پیچھے آئے، لیکن سب سے پیچھے نہیں بیٹھے، ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ان دو گروہوں کے مجمع البحرین تھے، یعنی قدیم علوم سے بہرہ ور تھے اور جدید سے اپنے ہم عصروں کی طرح آشنا، پھر قدیم علوم میں بھی اللہ تعالیٰ نے گونا گونی کے ساتھ مختلف صلاحیتیں اور قابلیتیں ان کی ذات میں ودیعت رکھی تھیں۔ اس لیے تماشا گاہ عالم میں کمال کا جو جوہر انہوں نے دکھایا، یقین ہے کہ دنیا زمانے تک اس کی مثال پیش نہ کر سکے گی۔'' ۹

شبلی کے زمانے میں اسلام کو جو خطرہ تھا، وہ دو گروہوں سے تھا۔ اول عیسائیت، دوسرے نیچریت۔ عیسائیت سے اسلام

کوزک پہنچ رہی تھی اور دہریت سے خدا کو۔ (شبلی نعمانی نے ان دونوں حلقوں کے اعتراضات وشبہات کا علم واستدلال کی بنیاد پر بھرپور مقابلہ کیا۔) ۱۰

علامہ سید سلیمان ندوی اپنے استادِ محترم علامہ شبلی نعمانی کے علمی مقام اور خدمات پر جامع تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''مولانا کے حریف تلوار کا صرف ایک ہی وار جانتے تھے، یا فقیہ، محدث یا متکلم وفلسفی تھے، یا فقط انشاء پرداز یا زبان آور خطیب، یا سخن فہم وسخن سنج، لیکن یہ یگانۂ روزگار مجموعۂ ہر علم وفن تھا، جس رستے پر قدم رکھا، میدان میں سب سے آگے نظر آیا، علومِ دینی وشرقی میں جو تبحر انہیں نصیب ہوا، اس سے یہ جدید ارکان یکسر خالی تھے، اور قدیم علماء جدید مسائل سے یکسر بے خبر تھے، تاریخ کا وہ (علامہ شبلی نعمانی) اس بازار میں تنہا جوہری تھا، فلسفہ وکلام کا وہ امام تھا، شاعری کا کہنہ مشق استاد تھا، انشاء پردازی کے پامال کوچے میں بھی اس کی راہ الگ تھی، انشاء پردازی (تحریر) زبان آوری (تقریر) ان دونوں کشوروں میں یکساں صرف اس کا سکّہ رواں تھا۔ سخن سنجی اس کے طائرِ کمال کے شہپر تھے۔ اس میں دوسری جامعیت یہ تھی کہ وہ صرف دماغ نہ تھا، ہاتھ بھی تھا، قومی تحریکوں کے عواقب پر جہاں اس کی نظر پہنچی، حریف اس کے دیکھنے سے قاصر تھے، اس کا دماغ جن دینی وملّی کارناموں کا تماشا دیکھتا تھا اور دیکھنا چاہتا تھا، بہت سی آنکھیں ان کے دیکھنے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتی تھیں، قومی، تعلیمی، اجتماعی، سیاسی، ادبی غرض عمل کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا، جس کی طرف اس کا ہاتھ نہ بڑھا۔'' ۱۱

علامہ شبلی نعمانی عربی، فارسی، اردو نظم ونثر دونوں میں اعلیٰ قابلیت رکھتے تھے۔ ۱۲

شیخ محمد اکرام ''موجِ کوثر'' میں علامہ شبلی نعمانی کے مقام ومرتبے کے متعلق تبصرہ کرتے ہوئے کیا خوب لکھتے ہیں:

''وہ زہاد میں زاہد، نثاروں میں نثار، شعراء میں شاعر، معلّموں میں معلّم، مورخوں میں مورخ..... تعلیم میں نئی روش کے آموزگار، علمی اور تصنیفی وتالیفی میدان میں ہماری زبان کے سب سے بانکے شہسوار تھے!

قلیل مدتِ حیات اور کمزور صحت کے باوجود ''سیرت النبیؐ'' کی تالیف سے سیرت نگاری کی تاریخ میں شبلی نے جو کچھ کر دکھایا، کیا وہ ایک معجزے سے کم ہے!

دبیرم، شاعرم، رندم، ندیمم، شیوہ ہا دارم
گرفتم رحم برفریاد و افغانم نمے آید! ۱۳

بقول ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط: ''سیرت النبیؐ کا صفحہ، صفحہ ادبی رعنائی اور انشاء کی گل کاری کا ایک حسین گل دستہ ہے۔'' ۱۴

''الفاروق'' اور ''الغزالی'' کے بعد شبلی نعمانی نے ۲۸ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ مطابق ۵ جون ۱۹۰۵ء کو حیدرآباد دکن کے قیام کے زمانے میں ''سیرت النبیؐ'' کا آغاز کیا اور 3ھ تک کے واقعات قلم بند کیے، جس کا مسودہ دارالمصنفین کے کتب خانے میں موجود ہے۔'' ۱۵

علامہ شبلی نعمانی اپنی علمی وتصنیفی دور کی آخری یادگار، ذہنی وقلبی خواہشوں اور تمناؤں کا مرکز ومحور سب سے آخری اور اہم

تصنیف ''سیرت النبیؐ'' کی تالیف میں مصروف تھے، کچھ اجزاء تیار کر چکے تھے اور کچھ باقی تھے کہ پندرہ روز کی علالت کے بعد ۱۸؍نومبر ۱۹۱۴ء بہ مطابق ۲۸؍ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ کو بوقت صبح وفات پائی۔ ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوئے تھے اور ۵۷ برس کی عمر پائی، ہنگامۂ مشرق (جہادِ آزادی) میں ظہور کیا اور ہنگامۂ مغرب (جنگ یورپ) میں مخفی ہوئے۔ ''بدء الاسلام'' سیرۃ النبیؐ پر پہلی تصنیف لکھی اور ''سیرت النبیؐ'' پر آخری دم توڑا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) ۱۶

تصانیف:

بہ ترتیبِ زمانہ حسب ذیل تصنیفات آپ نے یادگار چھوڑیں:

رسالہ گزشتہ تعلیم، الجزیہ، کتب خانۂ اسکندریہ، المامون، رسائل شبلیؒ، سیرۃ النعمان، الفاروق، سفرنامہ، الغزالی، علم الکلام اور **الکلام، سوانح مولانائے روم، موازنۂ انیس و دبیر، شعرالعجم، مقالاتِ شبلی، مضامین عالمگیر، سیرت النبیؐ، مجموعہ کلام اردو**، یہ تمام تصانیف اردو زبان میں ہیں، جب کہ عربی میں **اسکات المعتدی، بدء الاسلام الجزیہ، النقد علیٰ التمدن الاسلامی** اور بعض دیگر مضامین ہیں جو مصر کے معروف رسائل میں شائع ہوئے، فارسی میں **دیوانِ شبلی، دستۂ گل، بوئے گل** اور بعض خطوط وغیرہ ہیں۔ ۱۷

سیرت النبی ﷺ: علامہ شبلی نعمانی کا عظیم علمی کارنامہ:

مولانا شبلی کو قدرت نے تحریر و تصنیف کا ایک خاص سلیقہ ودیعت فرمایا تھا اور وہ اس خاص وصف میں اپنے تمام معاصرین کے درمیان ممتاز تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تمام تصانیف میں عموماً اور سیرت النبیؐ میں خصوصاً بے ربطی، انتشار اور بے ترتیبی کا شائبہ بھی نہیں گزرتا۔ وہ کسی بھی موضوع پر قلم اٹھانے سے پہلے متعلقہ مواد کی اچھی طرح چھان بین کرتے ہیں، پھر قابل ذکر جزئیات علیحدہ کر لیتے ہیں۔ پھر جو کہنا چاہتے ہیں اسے اپنے ذہن میں مرتب کر کے صفحۂ قرطاس پر اتار دیتے ہیں۔ ان معروضات کو ذہن میں رکھ کر سیرت النبیؐ کا موازنہ اردو کی کسی بھی دوسری کتاب سیرت سے کیا جائے تو مولانا کے سلیقۂ تحریر و تصنیف کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہوا نظر آئے گا۔ ۱۸

ملا واحدی علامہ شبلی نعمانی کے تصنیفی ذوق اور اس حوالے سے ان کے معمول کے مطابق لکھتے ہیں:

''علامہ شبلی نعمانی کی تمام معرکۃ الآراء تصانیف دو گھنٹے روزانہ لکھنے کی کرامات ہیں، دو گھنٹے سے زیادہ لکھنا ان کے نزدیک حرام تھا اور دو گھنٹے پابندی سے لکھنا فرض، اسے وہ سفر و حضر میں نباہتے تھے۔'' ۱۹

''سیرت النبیؐ'' علامہ شبلی نعمانی کی آرزوؤں کا حاصل اور تمناؤں کی اوج گاہ تھی، ان کی خواہش تھی کہ اگر موت آتی ہے، تو سیرتِ رسولؐ لکھتے لکھتے آئے، اپنے ان جذبات کو انہوں نے ایک قطعہ کی شکل میں یوں بیان کیا ہے:

عجم کی مدح کی، عباسیوں کی داستاں لکھی،

مجھے چندے مقیم آستانِ غیر ہونا تھا
مگر اب لکھ رہا ہوں سیرتِ پیغمبرِ خاتمؐ
خدا کا شکر ہے کہ یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا۔ ۲۰

علامہ شبلی نعمانی کو اپنی تصنیفی زندگی کے آغاز ہی سے سیرت طیبہ اور حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی سے گہری عقیدت و محبت تھی، چناں چہ علی گڑھ پہنچ کر جب انہوں نے تصنیف و تالیف کے میدان میں قدم رکھا تو سب سے پہلے ''بدء الاسلام'' کے نام سے ۱۸۹۱ء میں عربی زبان میں ایک مختصر رسالہ تحریر کیا، جو بعد ازاں علی گڑھ کالج کے نصاب میں شامل کیا گیا۔ یہ رسالہ نام سے تو آغازِ اسلام کی تاریخ معلوم ہوتا ہے، لیکن درحقیقت یہ آں حضرت ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور تعلیمات پر عمدہ تصنیف ہے۔ ۲۱

محمد مقتدا خان شروانی کے بقول:

''رسالہ بدء الاسلام'' درحقیقت اسی تناور درخت (یعنی سیرت النبیؐ) کا گویا ایک ننھا تخم تھا، جیسے برگد کے درخت کا ہوتا ہے۔ ۲۲

اس رسالے نے نہ صرف طلبہ کے دلوں میں رسول اللہ ﷺ کے لیے عقیدت و محبت کے جذبات پیدا کیے، بلکہ خود مصنف کے دل میں بھی عشقِ رسولؐ کی قندیل روشن کر دی۔ ۲۳

علامہ شبلی نعمانی کے ذہن میں ''سیرت النبیؐ'' کا ایک بلند معیار مقرر تھا اور وہ چاہتے تھے کہ خیر البشرؐ کی سوانح عمری اسی معیار کے مطابق لکھی جائے۔ وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ سوانح عمری ایسی لکھنی چاہیے، جس سے صاحبِ سوانح کا پایہ اونچا نظر آئے، لیکن ہم مسلمانوں کے دلوں میں سرورِ کائنات ﷺ کی عقیدت کا پایہ اتنا بلند ہے کہ کوئی کتاب اس بلندی کو نہیں پہنچ سکتی۔ اس لیے سیرت کی کوئی کتاب مشکل ہی سے اس معیار پر پوری اترتی ہے، اپنے اسی خیال کو انہوں نے ۱۹۱۴ء میں لکھے ہوئے ایک قطعہ میں یوں ادا کیا ہے:

فرشتوں میں یہ چرچا ہے کہ حالِ سرورِ عالمؐ
دبیرِ چرخ لکھتا یا کہ خود رُوح الامیںؑ لکھتے
صدا، یہ بارگاہِ عالمِ قدوس سے آئی
کہ ہے یہ اور ہی کچھ چیز، لکھتے تو ہمیں لکھتے ۲۴

بہ ظاہر اردو میں سیرتِ نبویؐ پر کوئی نئی کتاب لکھنا علامہ شبلی نعمانی کے لیے مشکل کام نہ تھا، کیوں کہ عربی زبان میں سینکڑوں کتابیں پہلے سے موجود تھیں اور انہیں سامنے رکھ کر ایک ضخیم اور دل چسپ کتاب تیار کر لینا ان کے لیے چند مہینوں کا کام تھا، لیکن انہیں احساس تھا کہ یہ ایک اہم اور نازک فرض ہے، جسے رواروی میں نہیں ٹالا جا سکتا۔ اس لیے وہ مدت تک اسے پورا کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ تاہم وہ اس بات سے بھی ناواقف نہ تھے کہ مسلمان مصنف ہونے کی حیثیت سے ان کا فرضِ اولین یہی تھا کہ دوسرے کام چھوڑ کر سب سے پہلے سیرتِ نبویؐ کی خدمت انجام دیتے۔ اس لیے کہ جدید تعلیم جس تیزی کے ساتھ پھیلتی جاتی تھی،

مذہبی بے خبری بھی اسی قدر بڑھتی چلی جاتی تھی اور یہ صورتِ حال ایسی تھی جس کی روک تھام کی بڑی ضرورت تھی۔ ۲۵

علاّمہ سیّد سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ ''اس ضرورت کا احساس سب سے پہلے علاّمہ شبلی نعمانی کو ۱۹۰۶ء میں ہوا۔ یہ وہ زمانہ ہے، جب اس سے ایک سال پہلے (۱۹۰۵ء میں) آکسفورڈ یونی ورسٹی کے پروفیسر مارگولیوتھ نے ''محمدؐ'' کے نام سے سیرت پر انگریزی میں کتاب لکھی۔ یہ بڑی توہین آمیز اور زہرناک تھی، اور انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ اس کی تحقیق وتلاش کے نتیجوں سے بہت متاثر ہورہا تھا۔ اس تاثر کا اظہار سب سے پہلے علاّمہ شبلی نعمانی کے سامنے اسی نے کیا، جو اس عہد میں جدید تعلیم کا سب سے مایہ ناز فرزند گزرا ہے، یعنی مولانا محمد علی جوہر مرحوم۔'' ۲۶

علاّمہ سیّد سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ ''مارگولیوتھ کی کتاب کو دیکھ کر علاّمہ شبلی نعمانی بے چین ہوگئے تھے اور اپنی سیرتِ نبویؐ کی بنیاد ڈالی تھی۔'' ۲۷

مارگولیوتھ نے رسالت مآب ﷺ کی حیاتِ طیبہ پر بے بنیاد اور انتہائی شرم ناک الزامات عائد کیے تھے۔ ۱۹۰۶ء میں مولانا شبلی نعمانی کے بڑودہ پہنچنے پر مولانا محمد علی جوہر نے علاّمہ شبلی نعمانی سے عرض کیا: ''ہندوستان میں کون ہے جو کفار کے پے در پے مگر بے جا سے بے جا حملوں کا جواب دے گا؟ ان کا اشارہ خصوصاً اپنے اوکسفورڈ کے استاد مارگولیوتھ کی طرف تھا۔ سیّد سلیمان ندوی کے نام ۱۰ر اگست ۱۹۱۸ء کے ایک خط میں محمد علی جوہر نے لکھا ہے کہ ''نہ معلوم اس سے قبل مولانا مرحوم کو کتنی بار اس مقدس کام کا خیال آیا ہوگا، مگر طرزِ گفتگو سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ میری تقریر نے اثر کیا اور آخری فیصلہ کم از کم بڑودہ میں رہ کر کیا گیا۔'' ۲۸

علاّمہ شبلی نعمانی کو جب دنیائے استشراق کے امام اور مستشرقین کے خیالات اور افکار ونظریات کا اندازہ ہوا تو ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ان تمام اعتراضات وشبہات کا مفصل جواب لکھا جائے، ابتدا میں ان کا خیال تھا کہ ایک وقت میں تمام کام چھوڑ کر صرف اس کام کو کروں گا، چناں چہ وہ تمام کاموں سے بے نیاز ہوکر اس کام کے لیے وقف ہوگئے، ایک ادارہ اسی کام کے لیے انہوں نے قائم کیا، اپنا مکان، جائیداد، باغ، کتب خانہ اور تمام اثاثہ وقف کرکے ''دائرۃ المعارف النبویۃ'' لکھنے کا منصوبہ بنایا۔ یعنی Encyclopedea of Prophetic Scinces جو کئی جلدوں پر مشتمل ہوگی، اس میں سیرت سے متعلق ہر قسم کے مطالب اور مضامین ہوں گے، خود ان کے اپنے الفاظ میں ''امہات مسائل پر ریویو، قرآن پاک پر ایک نظر، غرض یہ عام سیرت کی کتاب نہ ہو، بلکہ انسائیکلو پیڈیا ہو''۔ ان کے ذہن میں تھا کہ مستشرقین کے تمام کام کا جائزہ لیا جائے، ان کا علمی ومدلل جواب دیا جائے۔ یہ تمام تفصیل علامہ شبلی نعمانی نے کتاب کے مقدمے میں بیان کی ہے، سیرت النبیؐ کا یہ مقدمہ بہت عالمانہ ہے۔ سیرت کی کتابوں میں بہت کم کتابوں کا مقدمہ اتنا غیر معمولی اور عالمانہ ہے۔ اس میں انہوں نے اپنے ان ارادوں کا اظہار بھی کیا ہے، استشراق کی تاریخ کا بھی جائزہ لیا ہے اور اس عزم کا اظہار کیا ہے کہ وہ اس پورے کام کا جائزہ لیں گے۔ ۲۹

مستشرقین کے اٹھائے گئے بے بنیاد اعتراضات وشبہات اور من گھڑت الزامات اور اتہامات جب کثرت سے علامہ شبلی نعمانی کے سامنے آئے تو ان کا جذبہ اور ارادہ مزید پختہ ہوگیا۔ ۳۰

سیرت النبیؐ کی علامہ شبلی نعمانی کے دل ونگاہ میں کیا اہمیت اور قدر ومنزلت تھی، اس کا اندازہ ان کے تحریر کردہ خط بنام

منشی محمد زبیری سے کیا جاسکتا ہے، جس میں علامہ موصوف نے اپنے جذبات واحساسات کا اظہار ان الفاظ میں کیا تھا:

''اگر مرنہ گیا اور ایک آنکھ بھی سلامت رہی تو انشاء اللہ دنیا کو ایک ایسی کتاب دے جاؤں گا، جس کی توقع کئی سو برسوں تک نہیں ہوسکتی۔'' ۳۱

مستشرقین اور دیگر مغربی اہلِ علم کے اعتراضات کا مدلل جواب دینا مولانا شبلی نعمانی کے پیش نظر روز اول ہی سے تھا، چناں چہ ان اعتراضات کا پس منظر بیان کرتے ہوئے علامہ شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ:

''مسلمانوں کے اس فخر کا قیامت تک کوئی حریف نہیں ہوسکتا کہ انہوں نے اپنے پیغمبرؐ کے حالات وواقعات (حیاتِ طیبہ) کا ایک ایک حرف اس استقصاء کے ساتھ محفوظ کیا کہ کسی شخص کے حالات آج تک اس جامعیت اور احتیاط کے ساتھ قلم بند نہیں ہوسکے اور نہ آئندہ توقع کی جاسکتی ہے۔'' ۳۲

جون ۱۹۱۴ء کے بعد شبلی بمبئی چلے گئے، جہاں انہوں نے یکسوئی کے ساتھ جلد اول مکمل کرنے کی سعی کی اور اسی دوران سیرت النبی کا وہ مقدمہ بھی لکھا، جو فن مغازی وسیر کی تاریخ اور اسلامی فنِ درایت کے اصولوں پر مشتمل ہے۔ ۳۳

سیرت النبی کی دوسری جلد قریب التکمیل تھی۔ ۷ر نومبر ۱۹۱۴ء کے بعد بیماری کے شدید حملے نے علامہ شبلی نعمانی کے لیے کام کرنا ناممکن بنادیا۔ وفات سے تین دن قبل (۱۵ر نومبر ۱۹۱۴ء کو) انہوں نے حمید الدین فراہی، ابوالکلام آزاد اور علامہ سید سلیمان ندوی کو تار دے کر بلوایا تھا کہ انہیں ناتمام سیرت النبی کا پورا پلان سمجھایا جاسکے۔ علامہ سید سلیمان ندوی کی سچی لگن، طلب اور تڑپ نے انہیں تار موصول ہونے سے پہلے ہی استاذ محترم کی پکار پر اعظم گڑھ پہنچادیا۔ اس وقت تک شبلی نعمانی کی حالت بہت بگڑ چکی تھی اور قوتِ گویائی بھی بڑی حد تک ختم ہوگئی تھی۔ تاہم اس وقت بھی ان کے دل ودماغ پر سیرت النبی کی تکمیل کا خیال چھایا ہوا تھا۔ ۳۴

استاد شاگرد کی یہ ملاقات بڑی درد انگیز تھی، اس کا نقشہ علامہ سید سلیمان ندوی نے بڑے مؤثر انداز میں کھینچا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''میں سرہانے کھڑا تھا، میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے، مولانا نے آنکھیں کھول کر حسرت سے میری طرف دیکھا اور دونوں ہاتھوں سے اشارہ کیا کہ اب کیا رہا۔ پھر زبان سے دوبارہ فرمایا: اب کیا، اب کیا۔ معاہدے کے طور پر میرا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا: سیرت النبی میری تمام عمر کی کمائی ہے، سب کام چھوڑ کر اسے مکمل کرو۔ میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا: ضرور، ضرور۔ ۲۶ر نومبر کی شام کو مولانا حمید الدین فراہی بھی تشریف لائے۔ جن کے لیے مولانا ابتدا سے منتظر تھے۔ ۱۷ نومبر کی صبح مجھے اور انہیں یاد فرمایا: زبانِ مبارک سے تین مرتبہ سیرت۔ سیرت۔ سیرت کہا اور پھر انگلی سے لکھنے کا اشارہ کرکے فرمایا: ''سب کام چھوڑ کے''۔ ۳۵

علامہ سید سلیمان ندوی نے بسترِ مرگ پر آخری سانس لیتے ہوئے اپنے استاد علامہ شبلی نعمانی سے جو وعدہ کیا تھا، اسے انتہا درجے کے احساسِ ذمہ داری کے ساتھ پورا کیا، شبلی نعمانی اپنی امانت جس حالت میں چھوڑ گئے تھے، ان کے شاگردِ رشید سید سلیمان ندوی نے اسے پوری احتیاط اور کامل دیانت داری سے نبھایا۔ اگر کہیں حواشی یا حوالے چھوٹ گئے تھے، تو وہ انہوں نے تلاش

وجستجو کے بعد ڈھونڈ ڈھونڈ کر لکھے۔لیکن اس کی کامل احتیاط کی کہ جامع (سید سلمان ندوی) کا کوئی حرف مصنف (شبلی نعمانی) کی عبارت میں نہ مل پائے، جہاں کہیں اضافے کی ضرورت محسوس ہوئی، وہاں قوسین کے ذریعے واضح کر دیا کہ کون سی تحریر استاد کی ہے اور کون سی شاگرد کی۔ یہ اضافے سیرت النبی کی جلد اول میں کم ہیں اور دوسری جلد میں زیادہ، اس لیے بقول شیخ محمد اکرام:

''دوسری جلد کو صرف مولانا شبلی نعمانی کی نہیں، بلکہ استاد اور شاگرد علامہ شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی کی مشترکہ تصنیف ہی سمجھا جا سکتا ہے۔تاہم اس کا اہم حصہ (سوانحی) علامہ شبلی نعمانی کے قلم سے ہے۔'' ۳۶

اردو سیرت نگاری میں سیرت النبی کا مقام:

یہ استاد اور شاگرد علامہ شبلی نعمانی اور علامہ سید سلیمان ندوی کی حد درجہ اخلاص، محبوبِ رب العالمین، سید المرسلین، امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے عقیدت و محبت، عشق و دارفتگی اور تڑپ ہی کا نتیجہ تھا کہ نہ صرف اردو سیرت نگاری بلکہ سیرت نگاری کی تاریخ میں جو شہرت و قبولیت سیرت النبی کو ملی، وہ کسی اور کے حصے میں نہ آ سکی۔سیرت النبی کے لاتعداد ایڈیشن تا دمِ تحریر مختلف اشاعتی اداروں سے شائع ہو چکے ہیں۔انگریزی اور دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کے تراجم سامنے آ چکے ہیں۔اس کی شہرت و عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ سیرت النبی کہنے اور سننے سے اس کتاب کی جانب ذہن متوجہ ہوتا ہے۔''اردو نثر میں سیرتِ رسولؐ'' کے مؤلف ڈاکٹر انور محمود خالد لکھتے ہیں: سیرت النبی نہ صرف اردو بلکہ بیسویں صدی میں لکھی گئی تمام زبانوں کی کتبِ سیرت میں ممتاز مقام کی حامل ہے۔'' ۳۷

پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازی کے الفاظ میں: ''اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ بیسویں صدی کا پہلا نصف برِصغیر میں دو سیرت نگاروں کے ہاتھ میں تھا، وہ اس میدان کے شہسوار ہیں، صرف برِصغیر نہیں، بلکہ دنیائے اسلام میں میدان سیرت کے شہسوار اور اس فضائے بے کراں کے شہباز دو شخصیات ہیں، علامہ شبلی نعمانی اور قاضی محمد سلیمان منصور پوری، بیسویں صدی کا پہلا نصف ان دونوں کے ہاتھ میں ہے۔دوسرا نصف بھی ہمارے برِصغیر کی ایک شخصیت کے ہاتھ میں ہے جن کے بارے میں یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ وہ بیسویں صدی میں ''مجدد علومِ سیرت'' ہیں۔ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ان تینوں شخصیات کا کام ایک بے مثال اور رجحان ساز ہے۔سیرت کے جن گوشوں پر انہوں نے نمایاں کام کیا، جس انداز سے سیرت پر لکھا، اس کی مثال عرب و دنیا میں بھی نہیں ملتی۔'' ۳۸

ڈاکٹر صاحب مزید کہتے ہیں: ''قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی کتاب رحمۃ للعالمین اہمیت کے باوجود ایک دوسری کتاب کی چمک دمک کے سامنے ماند پڑ گئی، قاضی صاحب کی اپنی یہ کتاب یقیناً آسمانِ تحقیق کا بہت چمکتا ہوا ستارہ تھا، لیکن جب آفتابِ تحقیق سامنے آیا تو اس ستارے کی چمک ماند پڑ گئی، وہ آفتابِ تحقیق علامہ شبلی نعمانی اور علامہ سید سلیمان ندوی کی سیرت النبی ہے۔ ۳۹

اردو سیرت نگاری کی تاریخ میں اس عہد کی سب سے اہم کتاب علامہ شبلی نعمانی (۱۸۵۷ء-۱۹۱۴ء) اور علامہ سید سلیمان ندوی (۱۸۸۴ء-۱۹۵۳ء) کی مشترکہ تصنیف سیرت النبی پہلے چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل تھی، بعد ازاں اس کی ساتویں مختصر جلد

بھی شائع ہوئی۔ پہلی دو جلدیں علامہ شبلی نعمانی کے قلم سے ہیں اور باقی پانچ جلدیں ان کی وفات کے بعد ان کے شاگرد رشید علامہ سید سلیمان ندوی نے مکمل کیں۔ ۴۰

سیرت النبی کی پہلی جلد ۱۹۱۸ء میں، دوسری جلد ۱۹۲۰ء میں، تیسری جلد ۱۹۲۴ء میں، چوتھی جلد ۱۹۳۲ء میں، پانچویں جلد ۱۹۳۵ء میں، چھٹی جلد ۱۹۳۸ء میں اور ساتویں جلد ۱۹۸۰ء میں شائع ہوئی۔ ۴۱

پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازی سیرت النبی کی عظمت و اہمیت کے متعلق لکھتے ہیں:

''یہ کتاب بیسویں صدی کیا معنیٰ، بلکہ گزشتہ کئی صدیوں کی ادبیات سیرت کی ممتاز ترین کتابوں میں سے ہے، جس طرح سر سید و لیم میور کی کتاب دیکھ کر بے چین ہو گئے تھے۔ اس کتاب سے مغربی تعلیم یافتہ طبقہ متاثر ہو رہا تھا۔ یہ کام دو انتہائی عالم فاضل انسانوں کی تحقیق اور کاوش کا نتیجہ ہے، اپنے ادیبانہ شکوہ، زورِ بیان، بیانیہ جمال، دلیل کی قوت، تحریر و تجزیے کی بلندی، روایات کا محدثانہ، مورخانہ اور متکلمانہ جائزہ۔ یہ سب پہلو اس کتاب کی امتیازی خصوصیات ہیں۔'' ۴۲

شاہ معین الدین ندوی لکھتے ہیں:

''اردو زبان و ادب میں یہ پہلی سیرت کی کتاب ہے، جس میں تمام ضروریات کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے، جس میں سوانح، شمائل نبویؐ اور اسلام کی تعلیمات کو ایسے محققانہ اور دل نشین انداز میں پیش کیا گیا ہے جس سے منکرین و مخالفین بھی ان کی صداقت و عظمت ماننے پر مجبور ہو جائیں گے۔'' ۴۳

اسلوب اور بنیادی اصول:

علامہ شبلی نعمانی نے سیرت النبی کی تالیف کے وقت چند اصول اپنے پیش نظر رکھے، جن کی انہوں نے اور ان کے بعد ان کے شاگرد سید سلیمان ندوی نے پیروی کی ہے۔ انہوں نے سیرت کے واقعات کے متعلق قرآن مجید کے بیانات کو باقی روایات پر مقدم رکھا ہے، کیوں کہ بہت سے واقعات کے متعلق خود قرآن کریم میں ایسی تصریحات یا اشارے موجود ہیں، جن سے اختلافی مباحث کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید کے بعد انہوں نے مستند کتب احادیث میں سے سیرت کی روایاتِ صحیحہ تلاش کی ہیں اور ان کے مقابلے میں کتب سیر و تاریخ کی روایات کو ثانوی حیثیت دی ہے۔ ان کے خیالات میں جو واقعات بخاری و مسلم وغیرہ میں موجود ہیں، ان کے مقابلے میں سیرت و تاریخ کی روایات کی وہ حیثیت نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ''اربابِ سیر کو ایک بڑی غلطی یہ ہوئی کہ وہ واقعات کو کتبِ حدیث میں ان موقعوں پر ڈھونڈتے ہیں، جہاں عنوان اور مضمون کے لحاظ سے ان کو درج ہونا چاہیے اور جب ان کو ان موقعوں پر کوئی روایت نہیں ملتی تو وہ کم درجے کی روایتوں کو لے لیتے ہیں، لیکن کتب حدیث میں ہر قسم کے نہایت تفصیلی واقعات ضمنی موقعوں پر روایت میں آجاتے ہیں، اس لیے اگر عام استقراء اور تفحص سے کام لیا جائے تو تمام اہم واقعات میں خود صحاح ستہ کی روایتیں مل جاتی ہیں۔''

مولانا شبلی کی کتاب کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے اکثر تفصیلی واقعات حدیث کی ثقہ کتابوں سے ڈھونڈ کر مہیا کیے ہیں، جو عام سیرت نگاروں کی نظر سے بالکل اوجھل رہ گئے تھے۔ پھر انہوں نے عام واقعات بیان کرتے وقت ابن سعد، ابن ہشام اور طبری کی عمومی روایتیں کافی خیال کی ہیں، البتہ جن واقعات کی خصوصی اہمیت تھی، ان کے متعلق تنقید و تحقیق سے کام لیا ہے۔ علاوہ ازیں دیگر سیرت نگاروں سے جو جو فروگزاشتیں ہوئیں، مولانا نے حتی الامکان ان کی اصلاح اور تلافی کی ہے۔ ۴۴ر الف

اس کے ساتھ ساتھ یورپین سیرت نگاروں کے افکارِ باطلہ کی تردید بھی کی ہے۔ یہ مصنفین آنحضرتؐ کے نسب، خاندان، مذہب، اخلاق اور کردار کے بارے میں جو جو شبہات پیدا کرتے ہیں، مولانا شبلی نعمانی نے انہیں صحیح روایات کی روشنی میں دور کرنے کی کوشش کی ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی نے مولانا شبلی کے ''مقدمۂ سیرت'' کے اہم مباحث کی ''نتائج مباحث مذکورہ'' کے عنوان سے تلخیص کی ہے۔ اس سے ان اصولوں کا پتہ چلتا ہے جو سیرت النبیؐ کی تصنیف کے دوران مولانا شبلی نعمانی کے پیش نظر رہے ہیں۔

۱۔ سب سے پہلے واقعے کی تلاش قرآن مجید میں، پھر احادیث صحیحہ میں، پھر عام احادیث میں کرنی چاہیے۔ اگر نہ ملے تو پھر روایات سیرت کی طرف توجہ کی جائے۔

۲۔ سیرت کی روایتیں بہ اعتبار پایۂ صحت احادیث کی روایتوں سے فروتر ہیں، اس لیے بصورت اختلاف روایات احادیث کو ہمیشہ ترجیح دی جائے گی۔

۳۔ بصورت اختلاف روایاتِ احادیث، رواۃ ارباب فقہ کی روایات کو دوسروں پر ترجیح ہوگی۔

۴۔ سیرت کے واقعات میں سلسلۂ علت و معلول کی تلاش نہایت ضروری ہے۔

۵۔ نوعیت واقعہ کے لحاظ سے شہادت کا معیار قائم کرنا چاہیے۔

۶۔ یہ دیکھا جائے کہ روایت میں اصل واقعہ کس قدر ہے؟ اور راوی کی ذاتی رائے و فہم کا کس قدر جزو شامل ہے؟

۷۔ اسباب خارجی کا کس قدر اثر ہے؟

۸۔ جو روایت عام وجوہ عقلی، مشاہدۂ عام، اصولِ مسلمہ اور قرائن حال کے خلاف ہوگی، لائق حجت نہ ہوگی۔

۹۔ اہم موضوع پر مختلف روایات کی تطبیق و جمع سے اس کی تسلی کر لینی چاہیے کہ راوی سے ادائے فہم میں تو غلطی نہیں ہوئی ہے۔

۱۰۔ روایات آحاد کو موضوع کی اہمیت اور قرائن حال کی مطابقت کے لحاظ سے قبول کرنا چاہیے۔ ۴۴ر ب

مذکورہ بالا بیانات سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ مولانا شبلی نعمانی چاہتے تھے کہ سیرت کے موضوع پر صحیح روایات کے التزام کے ساتھ ایک مستند کتاب مرتب ہو جائے۔ اس سلسلے میں انہوں نے یہ بلند معیار پیش نظر رکھنا چاہا تھا کہ سیرت کے واقعات اولاً قرآن مجید سے اخذ کیے جائیں۔ بعدہٗ احادیث کی کتابوں سے مراجعت کی جائے۔ سب سے آخر میں کتب سیرت کی روایات کام میں لائی جائیں۔ مزید برآں روایات کی ترجیح کے باب میں محدثین کے دقیق اصولوں سے استفادہ کیا جائے۔ ۴۵

سیرت النبی کی خصوصیات وامتیازات:

ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی علامہ شبلی نعمانی کی سیرت نگاری پر اپنے تحقیقی مقالے ''مولانا شبلی نعمانی بہ حیثیت سیرت نگار'' میں سیرت النبی کی خصوصیات وامتیازات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اردو میں سیرتِ نبویؐ کے موضوع پر یوں تو چھوٹی بڑی صدہا کتابیں لکھی گئی ہیں، لیکن شہرت وقبولیت کے جس مقامِ بلند پر علامہ شبلی نعمانی کی سیرت النبی نظر آتی ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ علامہ شبلی نعمانی کی دیگر تصانیف میں اسے ایک ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کون سی خصوصیات وامتیازات ہیں، جنہوں نے اس کتاب کو آسمانِ سیرت کا ماہِ تمام بنا رکھا ہے؟

اس ضمن میں اس کتاب کے بالاستیعاب اور بار بار کے مطالعے کے بعد راقم الحروف کا ذہن جن امور کی جانب منتقل ہوتا ہے، وہ یہ ہیں۔

اول: مصنف کا طاقت ور اور مؤثر اسلوبِ بیان۔

دوم: مؤرخانہ شعور وآگہی۔

سوم: بے مثال اور منفرد سلیقۂ تحریر وتصنیف۔

چہارم: مستشرقین کا رد وابطال۔

پنجم: عالمانہ طرزِ تخاطب۔ ۴۶

بعد ازاں ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی نے سیرت النبی کی مندرجہ بالا خصوصیات پر مفصل طور پر روشنی ڈالی ہے۔ ۴۷/الف

ذیل میں سیرت النبی کی بعض خصوصیات وامتیازات کا تذکرہ کیا جاتا ہے، جن میں بعض خصوصیات کو شبلی کی اولیات میں شمار کیا جاتا ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یورپ میں علومِ جدیدہ کے فروغ کے بعد فنِ تاریخ اور سیرت نگاری میں اہم تبدیلیاں رونما ہوئیں، مستشرقین کی جماعت نے انہی علوم کی روشنی میں تاریخ اسلامی اور رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ پر بے بنیاد الزامات کی ایسی یلغار شروع کردی کہ محسوس ہونے لگا کہ مسلمان علماء اور دانشور اس سیلِ رواں کے آگے مجبور اور بے بس ہوگئے ہیں، ایسی نازک گھڑی میں بہ قول مولانا سید سلیمان ندوی:

''ایسے ہوشمند حریفوں کے مقابلے کے لیے ساری دنیائے اسلام میں سے جو شیر دل اسلام کی صف میں سے سب سے پہلے نکلا، وہ مولانا شبلی ہی تھے، جنہوں نے ان ہی کے طریقے، ان ہی کے اسلوب پر ان کو جواب دینا شروع کیا اور بتایا کہ اسلام کے فیض وبرکت کی ہواؤں نے دنیا کے علم وتمدن کی بہاروں کو کیسے دوبالا کیا۔'' ۴۷/ب

مستشرقین کا رد وابطال:

سیرت النبی کی تصنیف سے مولانا شبلی کا اصل مقصد یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کی سیرت وشخصیت سے متعلق مستشرقین یورپ کی غلط بیانیوں کا رد وابطال کیا جائے اور خاص طور پر ان مسلم نوجوانوں کے شکوک وشبہات کا ازالہ کیا جائے، جن کے ذہن ذات نبویؐ کے متعلق مورخین یورپ کی زہر افشانیوں سے مسموم ہو چکے ہیں، اس کا تذکرہ مولانا نے اپنی کتاب کے مقدمے میں کیا ہے: ۴۸

اس کے بعد مولانا نے مقدمہ ہی میں ''یورپین تصنیفات'' کا عنوان قائم کر کے چودہ پندرہ صفحات پر مشتمل ایک مبسوط اور جامع بحث کی ہے، جس میں اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ سے متعلق اہل مغرب کے عہد بہ عہد افکار وخیالات پر روشنی ڈالی ہے۔ نیز علوم عربیہ اور خاص طور پر سیرت کے موضوع پر مغربی مصنفین کی کتابوں کی مختصر تاریخ بیان کی ہے۔ پھر ان کتابوں کے انداز نگارش اور مشترکہ معائب کی نشاندہی کی ہے۔ اس ضمن میں مولانا نے مستشرقین کی ان کتابوں کی فہرست بھی پیش کی ہے، جن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ان میں سے اکثر ہمارے دفتر تصنیف میں موجود ہیں، یا ہم ان سے متمتع ہو چکے ہیں، راقم عرض کرتا ہے کہ یہ ۳۷ کتابیں ہیں۔ ان کا زمانہ تصنیف ۱۸۱۵ء سے ۱۹۰۹ء تک کے عرصے کو محیط ہے۔ ان کے مصنفین میں ۱۶ کا وطن اٹلی ہے اور ایک کی وطنی نسبت مذکور نہیں۔ ۴۹

سیرۃ النبی کو دوسری کتب سیرت کے درمیان اس پہلو سے بھی امتیاز حاصل ہے کہ اس میں سیرت نبویؐ کے متعلق مستشرقین یورپ کے اعتراضات واشکالات کے جوابات دیے گئے اور نوجوان ذہنوں کی تسکین وتشفی کے سامان خاص طور پر بہم پہنچائے گئے ہیں۔ پھر چوں کہ مصنف سیرت النبیؐ نے مغربی مصنفین کے افکار وخیالات اور اعتراضات واشکالات سے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کی تھیں اور بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کتابوں کا خاص طور پر مطالعہ کیا تھا، یہاں تک کہ اپنے منصوبے میں سیرت النبیؐ کے پانچویں حصے کو انہوں نے یورپین تصنیفات کے رد کے لیے خاص کر لیا تھا، اس لیے (موجودہ نامکمل صورت میں بھی) سیرت النبیؐ کو مستشرقین کے رد وابطال کے سلسلے میں سرسید احمد خاں کی خطبات احمدیہ اور دوسرے معاصر سیرت نگاروں کی کتابوں پر فوقیت وبرتری حاصل ہے۔ ۵۰

سیرت النبیؐ کی سب سے بنیادی خصوصیت یہی ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی محض ایک سادہ سوانح عمری نہیں ہے، بلکہ اس میں آپؐ کی سیرت طیبہ کی تفصیل بیان کر کے دراصل اسلام کی تعلیمات وحقائق کو علم کلام کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ مولانا شبلی فن سیرت وسوانح کو خالی شخصی واقعات وحالات کا مجموعہ نہیں گردانتے، بلکہ وہ اس فن کو شخصیت کے جلو میں رونما ہونے والے واقعات کی مفصل کیفیت اور ان کے اسباب ونتائج کو نمایاں کرنے والا ایک جامع فلسفہ قرار دیتے ہیں اور یہی خصوصیت ان کے اور دوسرے سیرت نگاروں کے درمیان حد فاصل کا درجہ رکھتی ہے۔ ۵۱

مولانا شبلی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''علوم وفنون کی صف میں سیرت (بائیوگرافی) کا ایک خاص درجہ ہے، یہاں حالات زندگی بھی حقیقت شناسی اور عبرت پزیری کے لیے دلیل راہ ہیں، چھوٹے سے چھوٹا انسان بھی کیسی عجیب خواہشیں رکھتا ہے، کیا کیا منصوبے باندھتا ہے، اپنے چھوٹے سے دائرۂ عمل میں کس طرح آگے بڑھتا ہے، کیوں کر ترقی کے زینوں پر چڑھتا ہے، کہاں

کہاں ٹھوکریں کھاتا ہے، کیا کیا مزاحمتیں اٹھاتا ہے، تھک کر بیٹھ جاتا ہے، سستاتا ہے اور پھر آگے بڑھتا ہے، غرض سعی وعمل، جدوجہد، ہمت وغیرت کی عجیب وغریب نیرنگیاں سکندرِ اعظم کے کارنامۂ زندگی میں موجود ہیں، بعینہٖ یہی منظر ایک غریب مزدور کے عرصۂ حیات میں بھی نظر آتا ہے۔ اس بنیاد پر سیرت وسوانح کا فن عبرت پزیری اور نتیجہ رسی کی غرض سے درکار ہے تو یہ سوال نظر انداز ہو جاتا ہے کہ حالات وواقعات جو ہاتھ آتے ہیں، وہ کس استقصاء وتفصیل کے ساتھ ہاتھ آتے ہیں، تاکہ مراحل زندگی کی تمام راہیں اور ان کے پیچ وخم ایک ایک کر کے نظر کے سامنے آجائیں، لیکن اگر خوش قسمتی سے فرد کامل اور استقصائے واقعات دونوں باتیں جمع ہو جائیں تو اس سے بڑھ کر اس فن کی کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے۔'' ۵۲

چوں کہ سیرت النبیؐ سے پہلے کی عام تصنیفاتِ سیرت واقعہ نگاری پر مشتمل ہوتی تھیں اور پہلی مرتبہ علامہ شبلی نعمانی نے اس طرز کہن کو ترک کر کے خالص علمی انداز میں سیرت کی تالیف کی، اس لیے وہ اس کا سبب بھی بیان کرتے ہیں، لکھتے ہیں:

''اگلے زمانے میں سیرت کی ضرورت صرف تاریخ اور واقعہ نگاری کی حیثیت سے تھی، علم کلام سے اس کو واسطہ نہ تھا، لیکن معترضین جہاں کہتے ہیں کہ اگر مذہب صرف خدا کے اعتراف کا نام ہے تو بحث یہیں تک رہ جاتی ہے، لیکن جب اقرارِ نبوت بھی جزو مذہب ہے تو یہ ضرورت شدت سے سامنے آتی ہے کہ جو شخص حامل وحی اور سفیرِ الٰہی تھا، اس کے حالات، اخلاق اور عادات کیا تھے۔'' ۵۳

مختصر یہ کہ سیرت النبی کی حیثیت مولانا شبلی کی نظر میں محض ایک کتاب کی نہ تھی، بلکہ سیرتِ نبویؐ کے معترضین اور نکتہ چینوں کے جواب کے لیے یہ وقت کے علم کلام کی ایک ضرورت تھی اور اس کے ذریعے کلمۂ اسلام کے دوسرے جزو محمد رسول اللہ ﷺ کی مکمل تفسیر وتشریح مقصود تھی۔

اسی ضمن میں مولانا نے یورپ کے سیرت نگاروں کی تحریروں کا تنقیدی وتحقیقی جائزہ بھی لیا ہے، جنھوں نے علم وتحقیق اور معروضیت کے نام پر رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کو متہم ومجروح کرنے کی مہم چلا رکھی تھی اور جن کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں سے مسلمانوں کا بھی ایک بڑا طبقہ متاثر اور مرعوب ہو رہا تھا، مولانا لکھتے ہیں:

''یورپ کے مورخین آنحضرت ﷺ کی جو اخلاقی تصویر کھینچتے ہیں، وہ نعوذ باللہ ہر قسم کے معائب کا مرقع ہوتی ہے، آج کل مسلمانوں کو جدید ضرورتوں نے عربی علوم سے بالکل محروم کر دیا ہے، اس لیے اس گروہ کو اگر کبھی پیغمبر ﷺ کے حالات اور سوانح دریافت کرنے کا شوق ہوتا ہے تو انہی یورپ کی تصانیف کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے، اس طرح یہ زہر آلود معلومات آہستہ آہستہ اثر کرتی جاتی ہیں اور لوگوں کو خبر تک نہیں ہوتی، یہاں تک کہ ملک میں ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا ہے، جو پیغمبر ﷺ کو محض ایک مصلح سمجھتا ہے، جس نے اگر مجمع انسانی میں کوئی اصلاح کر دی تو اس کا فرض ادا ہو گیا، اس بات سے اس کے منصب نبوت میں فرق نہیں آتا کہ اس کے دامنِ اخلاق پر معصیت کے دھبے بھی ہیں۔ ۵۴

غرض یہی وجوہ تھیں، جن کی بناء پر اس دور میں سیرت النبی جیسی ایک علمی کتاب کی شدید ضرورت تھی، مولانا کے الفاظ ہیں:

''یہ صرف اسلامی یا مذہبی ضرورت نہیں، بلکہ ایک اخلاقی ضرورت ہے، ایک تمدنی ضرورت ہے، ایک ادبی ضرورت ہے اور مختصر یہ کہ مجموعہ ضروریات دینی و دنیوی ہے۔'' ۵۵

دیگر امتیازی خصوصیات:

عطاء الرحمٰن صدیقی ندوی اپنے مقالے ''ادب اسلامی کا شاہکار سیرت النبیؐ'' میں اس کی چند امتیازی خصوصیات کا مختصر جائزہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱۔ سیرت نگاری میں جذبات کا عنصر اتنا ہی رکھا گیا ہے جتنی اس کی ضرورت تھی۔ دل سے زیادہ دماغ کو پیش کیا گیا ہے۔ اس دور کے عقلیت پسندوں، جدید تعلیم یافتہ اور روشن خیال طبقے کی رعایت و مناسبت سے بے حد مؤثر اور اپیلنگ اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔

۲۔ سیرت نگاری کے لیے بڑی وقتِ نظری اور دُور بینی سے کام لے کر رد و قدح کے بہت اہم اور بنیادی اصول مرتب کیے ہیں۔

۳۔ روایاتِ حدیث کو صرف مرتب شکل ہی میں نہیں پیش کیا گیا، بلکہ محققانہ اور ناقدانہ انداز ہر جگہ نمایاں ہے اور جن روایات کو رد کیا گیا ہے، ان کی عقلی، علمی اور تاریخی توجیہات بھی پیش کی ہیں۔ غیر ضروری، مبالغہ آمیز، کمزور اور موضوع روایات کو یکسر ترک کر دیا گیا ہے۔

۴۔ مغربی مفکرین و معترضین کی متعصبانہ نکتہ چینیوں کا بھرپور معقول جواب دیا ہے اور عموماً ان کی تردید کے لیے اولاً انہی کے مفروضات کو استعمال کیا ہے اور ضرورتاً مزید دلائل بھی پیش کیے ہیں۔

۵۔ ذاتِ رسول کو ایک مقدس مجموعۂ معجزات بنا کر ہی نہیں پیش کیا، بلکہ آپ کی سیرت کو انسانی زندگی کے مختلف زاویوں سے پرکھا گیا ہے اور صرف مسلمانوں ہی کے لیے نہیں، ساری دنیا کے ہوش مند انسانوں کے لیے ذاتِ رسول کو اسوۂ حسنہ قرار دے کر سبھی کو شخصیتِ رسولؐ کے سمجھنے کی دعوت دی گئی ہے۔ یہ کافۃ للناس بشیراً و نذیراً کی مکمل تفسیر ہے۔ ۵۶

۶۔ ذاتِ رسولؐ کے ساتھ ساتھ شبلی نعمانی اور سید صاحب نے اپنا قلم تعلیماتِ نبویؐ کی طرف بھی موڑا ہے کہ سیرتِ رسولؐ کی تکمیل دعوتِ رسولؐ کے تعارف اور ان کی عملی تطبیق کے بغیر ممکن نہیں، اس طرح تعلیماتِ نبویؐ کے موضوع پر سیرت کی ضخیم مجلدات ایک مستقل انسائیکلوپیڈیا کی اہمیت اختیار کر گئی ہیں۔

۷۔ پوری ایک ضخیم جلد معجزات کے موضوع پر مشتمل ہے اور معجزات کی دینی، دنیوی، عقلی، نقلی، فکری و علمی ہر حیثیت پر کھل کر بڑی تفصیلی بحث کی گئی ہے، اس کے بعد معجزات کے موضوع پر کسی دوسری کتاب کے پڑھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ معجزات کی تفصیلی بحث اس لیے بھی ضروری تھی کہ معجزات کی حقیقی بحث سمجھے بغیر شخصیت رسولؐ کے بعض گوشے نہیں سمجھے جا سکتے۔ یہ بحث اس لیے بھی ضروری تھی کہ معجزاتِ نبویؐ کے سلسلے میں طرح طرح کے من گھڑت واقعات مشہور

ہو گئے ہیں۔ دوسری طرف معجزات سے انکار کرنے والوں نے رسولؐ کی ذات کو اس حیثیت سے خاصا مجروح کرنے کی کوششیں کی ہیں۔

۸۔ اسی طرح ایک ضخیم جلد اخلاقیات پر مشتمل ہے، جس میں فلسفۂ اخلاق کے جزوی، فروعی اور کلی اصولوں کو بڑی تفصیل سے سمجھایا گیا ہے اور اخلاقیات اسلامی کے تمام اصولوں کو جو صحاح ستہ میں متفرق طور پر بکھرے ہوئے ہیں، علامہ سید سلیمان ندوی نے یکجا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ ۵۷

۹۔ ایک جلد میں عباداتِ نبویؐ اور معاملاتِ نبویؐ پر زبردست بحث کی ہے، شخصیتِ رسولؐ کے سمجھنے میں عبادات اور معاملات کی بنیادی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا، کیوں کہ رسولؐ کی ذات گرامی اور حیاتِ طیبہ اپنی تعلیمات کی آئینہ دار ہیں۔

۱۰۔ سیرت النبیؐ کا پورا سلسلہ اردو زبان و ادب، اسلوب نگارش اور انشاء کا بہترین مرقع ہے اور اردو ادب تمام تر ترقیات کے باوجود اب تک اس سے آگے نہیں جاسکا ہے۔ اس حیثیت سے سیرت النبیؐ اسلامی ادب کا بہترین شاہکار ہے۔

۱۱۔ برِّ اعظم ایشیا میں سیرت پر ہونے والے کام میں اگر شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی کی ''سیرت النبیؐ'' کا حوالہ یا تذکرہ نہ ہو تو وہ ناقص سمجھا جاتا ہے۔ ۵۸

اس لحاظ سے ''سیرت النبیؐ'' نہ صرف اردو سیرت نگاری بلکہ عالمی زبانوں میں لکھی گئیں، دیگر کتب سیرت اور سیرت نگاری کی تاریخ میں اپنے اسلوب، طرزِ نگارش اور دیگر خصوصیات کے حوالے سے منفرد اور ممتاز مقام کی حامل ہے۔

حواشی وحوالہ جات:

۱ شیخ محمد اکرام، یادگارِ شبلی، لاہور، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۹۴ء، ص ۲۸

۲ محمد سہیل شفیق، وفیاتِ معارف، کراچی، قرطاس، ۲۰۱۳ء، ص ۳۰

۳ ایضاً، شیخ محمد اکرام، یادگارِ شبلی، ص ۴۲

۴ یادگار شبلی، ص ۶۲

۵ عثمانی، محمد واصل، شبلی ادیبوں کی نظر میں، کراچی، صفیہ اکیڈمی، ۱۹۶۸ء، ص ۱۹

۶ محمد اکرام، شیخ، موجِ کوثر، لاہور، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ۲۰۰۷ء، ص ۲۲۶

۷ وفیاتِ معارف، ص ۳۰

۸ ایضاً، ص ۲۹

۹ ایضاً، ص ۳۰

۱۰ مفتون احمد، مولانا شبلی نعمانی، ایک مطالعہ، کراچی، مکتبہ اسلوب، ۱۹۸۶ء، ص ۱۳۴

۱۱ ایضاً، وفیاتِ معارف، ص ۳۰

۱۲ نظامی بدایونی، مشاہیرِ مشرق، لاہور، تخلیقات، ۱۹۹۹ء، ص ۳۰۱

۱۳ محمد اکرام، شیخ، موجِ کوثر، ص ۲۲۴

۱۴ سید یحییٰ نشیط، اردو میں سیرت نگاری. ایک سرسری جائزہ، بحوالہ: کاروانِ ادبِ اسلامی، اکتوبر۔دسمبر ۱۹۹۶ء، جنوری۔مارچ، ۱۹۹۷ء، ص ۲۱۶

۱۵ شبلی ادیبوں کی نظر میں، ص ۳۹

۱۶ وفیاتِ معارف، ص ۳۳

۱۷ ایضاً

۱۸ صدیقی، ظفر احمد، مولانا شبلی نعمانی بحیثیت سیرت نگار، لاہور، دارالنوادر، ۲۰۰۵ء، ص ۴۳

۱۹ ملا واحدی، تاثرات، مرتبہ حکیم محمد سعید، کراچی، ہمدرد اکیڈمی، ۱۹۷۰ء، ص ۴۶

۲۰ انور محمود خالد، اردو نثر میں سیرتِ رسولؐ، لاہور، اقبال اکادمی، پاکستان، ۱۹۸۹ء، ص ۵۵۰

۲۱ ایضاً، ص ۵۳۷

۲۲ مقالاتِ یوم شبلی، مرتبہ خان عبیداللہ خان، لاہور، اردو مرکز، ۱۹۶۱ء، ص ۶۱، نیز دیکھیے: انور محمود خالد، اردو نثر میں سیرتِ رسولؐ، ص ۵۲۸

۳۳ اردو نثر میں سیرتِ رسولؐ،ص۵۳۸

۳۴ ایضاً،ص۵۳۹

۳۵ ندوی،سیّدسلیمان،حیاتِ شبلی،ص۷۰۳

۳۶ انورمحمودخالد،اردو نثر میں سیرتِ رسولؐ،ص۵۴۰

۳۷ ندوی،سیّدسلیمان،یادرفتگان،کراچی،مجلسِ نشریاتِ اسلام،۱۹۸۳ء،ص۲۰۳

۳۸ انورمحمودخالد،اردو نثر میں سیرتِ رسولؐ،ص۵۴۰ (بحوالہ: ندوی،سیّدسلیمان،حیاتِ شبلی،ص۷۰۴)

۳۹ غازی،محموداحمد،محاضراتِ سیرت،لاہور،الفیصل ناشران،۲۰۰۸ء،ص۶۶۸

۴۰ ایضاً،ص۶۷۰

۴۱ محمداکرام،شیخ، یادگارِ شبلی،ص۴۳۶

۴۲ غازی،محموداحمد،محاضراتِ سیرت،ص۶۷۱، نیز دیکھئے شبلی نعمانی،سیرت النبیؐ،لاہور،الفیصل ناشران،۱/۱۵

۴۳ ندوی،سیدسلیمان،حیاتِ شبلی،ص۷۱۵،۷۱۶

۴۴ اردو نثر میں سیرتِ رسولؐ،ص۵۴۹

۴۵ ایضاً

۴۶ ایضاً،ص۵۵۰، نیز دیکھئے: شیخ محمداکرام،یادگارِ شبلی،ص۴۲۸

۴۷ اردو نثر میں سیرتِ رسولؐ،ص۵۳۵

۴۸ محاضراتِ سیرت، ص۶۵۲

۴۹ ایضاً،ص۶۶۸

۵۰ اردو نثر میں سیرتِ رسولؐ ، ص۵۳۵

۵۱ ایضاً

۵۲ محاضراتِ سیرت،ص۶۷۳

۵۳ اردو نثر میں سیرتِ رسولؐ، ص۵۳۶

۵۴ الف شبلی نعمانی،۱/۶۵،۶۶، نیز دیکھئے: انورمحمودخالد،اردو نثر میں سیرتِ رسولؐ،ص۵۰۵

۵۴ ب صدیقی،ظفراحمد،مولانا شبلی نعمانی بحیثیت سیرت نگار،ص۵۳

۵۵ ایضاً

۵۶ ایضاً،ص۲۵،۲۶

۵۷ الف ایضاً،ص۲۷ومابعد

۴۷؎ ندوی، سید سلیمان، حیاتِ شبلی، ص ۲۵

۴۸؎ شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ، نیز دیکھیے: صدیقی، ظفر احمد، مولانا شبلی نعمانی بحیثیت سیرت نگار، لاہور، دارالنوادر، ۲۰۰۵ء، ص ۴۶

۴۹؎ صدیقی، ظفر احمد، مولانا شبلی نعمانی، نعمانی بحیثیت سیرت نگار، ص ۴۷

۵۰؎ ایضاً

۵۱؎ محمد عارف عمری، مولانا شبلی نعمانی کی ایک عدیم المثال اور مہتم بالشان تصنیف "سیرت النبیؐ"، مشمولہ کاروانِ ادب اسلامی، اکتوبر۔دسمبر ۱۹۹۶ء، جنوری۔مارچ ۱۹۹۷ء، ص ۳۱۰

۵۲؎ شبلی نعمانی، سیرت النبی، ۱/۱۱-۱۲، (مقدمہ سیرت النبیؐ)

۵۳؎ محمد عارف عمری، (بحوالہ سیرت النبی از شبلی نعمانی، جلد ۱، ص ۱۲)

۵۴؎ شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ، جلد ۱، ص ۱۲

۵۵؎ محمد عارف عمری (بحوالہ سیرت النبی از شبلی نعمانی، جلد ۱، ص ۱۳)

۵۶؎ ندوی، عطاء الرحمٰن صدیقی، ادب اسلامی کا شاہکار سیرت النبیؐ، مشمولہ کاروانِ ادب اسلامی، اکتوبر۔دسمبر ۱۹۹۶ء، جنوری۔مارچ ۱۹۹۷ء، ص ۲۸۰، ۲۸۱

۵۷؎ ایضاً، ص ۲۷۳

۵۸؎ ایضاً، ص ۲۸۰، ۲۸۱